(شوریٰ) پریشد کی سرگرمیاں

5

نئی دہلی پالیکا پریشد کے شعبۂ تعلیم کے ذریعہ 20/6/013 کو سمر کیمپ کا اختتامی فنکشن تال کٹورہ انڈور اسٹیڈیم میں منعقد کیا گیا۔ جس میں این ڈی ایم سی اسکولوں کے و نو لیگ اسکولوں کے طلباء و طالبات پرنسپل اساتذہ اور بچوں کے والدین نے حصہ لیا۔ طلبا و طالبات کے ذریعہ رنگا رنگ پروگرام میں پیش کئے گئے۔

اس موقع پر ڈائریکٹر ایجوکیشن ودوشی چترویدی للت کلا اکیڈمی کے ریٹائرڈ ڈائریکٹر جناب دیوآنند جی کا پھولوں سے استقبال کر رہی ہیں۔

6

نئی دہلی نگر پالیکا پریشد کے کنونشن سینٹر میں
بتاریخ ۲۴ رمئی ۲۰۱۳ء کو منعقد نادمندر موسیقی پروگرام
جناب ریاض احمد ملک کے ذریعہ پیش کردہ پروگرام کا منظر

(شوریٰ) پریشد کی سرگرمیاں

3

نئی دہلی نگر پالیکا پریشد کی طرف سے دیوگوسوامی .D.E.O شعبۂ ہندی نے ۲۷/جون ۲۰۱۳ء سے ۳۰/جون ۲۰۱۳ء تک منعقد کی گئی بابا گنگ ناتھ گولڈ کپ باکسنگ چیمپئن شپ سینئر میں گولڈ کپ کے ۶۹/کلوگرام ویٹ کٹگری میں دوئم درجہ حاصل کیا۔

4

نئی دہلی نگر پالیکا پریشد کے چیف آڈیٹر کے محکمہ میں کام کر رہے آفیسرز کیلئے ایک ''دو روزہ تربیتی پروگرام'' ۲۷/۲۸/مئی ۲۰۱۳ء کو منعقد کیا گیا۔

اس پروگرام کی مہمان خصوصی محترمہ مینا کشی گپتا آئی۔اے۔ایس سابق چیف آڈیٹر تھیں۔ ان کے علاوہ جناب منیش کمار آئی۔اے۔ایس سابق فائنانس صلاح کار نے پروگرام میں شامل ہوکر اپنے تجربات سے افسران کو فیض یاب کیا۔ تربتی پورگرام میں محترمہ ورشا تیواری، چیف آڈیٹر جناب اے کے جوشی، ایڈیشنل چیف انجینئر (الیکٹرک)، جناب پی کے مونگا، ڈپٹی چیف ایڈیٹر اور جناب جے جے آر، ایڈیشنل ڈپٹی چیف ایڈیٹر نے مختلف مضامین پر اپنے تجربات کے ذریعے تربیت حاصل کرنے والے طلباء کے علم میں اضافہ کیا۔

(شوریٰ) پریشد کی سرگرمیاں

1

نئی دہلی نگر پالیکا پریشد کے شعبۂ ہندی کے زیرِ اہتمام ہندی زبان کے فروغ کیلیئے ہر سال تین مقابلوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ ہندی خوشخط اور ہندی مضمون نگاری کا انعقاد بتاریخ ۷/مئی ۲۰۱۳ء کو اور ہندی تبصرہ نگاری کا انعقاد بتاریخ ۸/مئی ۲۰۱۳ء کو نئی دہلی نگر پالیکا پریشد کے کنوینشن سینٹر میں کیا گیا۔ اس موقع پر پانچ سو ۵۰۰ سے زیادہ افسران اور کارکنان نے جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا۔

2

۵/جون ۲۰۱۳ء عالمی یومِ ماحولیات کے موقع پر این۔ڈی۔ایم۔سی کے شعبۂ تعلیم اور Wellspum Energy کے ذریعہ طالبات کو بااختیار بنانے کے مشن کے تحت ''پریم ویر'' مقابلے کی بیس ۲۰ فتح یاب طالبات کو سائکلیں دی گئیں۔

غزلیں

مظہر مجاہدی

غلاف جھوٹ کا سچائی پہ چڑھا دے گا
میرے خلاف تمہیں بھی وہ ورغلا دے گا

طبیب رنگ برنگی فقط دوا دے گا
دیا ہے جس نے مرض بس وہی شفا دے گا

خوشی زیادہ بھی اچھی نہیں صحت کے لئے
یہ قہقہہ تیرا پاگل تجھے بنا دے گا

بکھرتی کیسے ہے کاغذ کے پھول سے خوشبو
ملو گے اُس سے تو یہ کشف بھی دکھا دے گا

وجود اُس کا ہے ''ڈسٹر'' بلیک بورڈ ہے تو
تیری نگارش ہستی کو وہ مٹا دے گا

عبث سمجھ کے اسے کاٹنا عبث ہے میاں
یہ بوڑھا پیڑ اگر پھل نہیں، ہوا دے گا

وضع قطع سے نہ اس کو حقیر سمجھیں جناب
وہ شخص اینٹ سے اینٹ آپکی بجا دے گا

جو اں شکار ہی کرنا پسند ہے مظہر
یہ سرد خون بھی کیا شعر کو مزہ دے گا

مشمّن، رجز اور رمل مسکرائے
سر بزم دیکھو غزل مسکرائے

تیرے سرخ ہونٹون کا لے لر تبسم
ہنسے غنچہ و گل، کنول مسکرائے

ازل سے ابد تک کا قصہ یہی ہے
کہ روئے حیات اور اجل مسکرائے

ہر اک دل ہوا ے کاش خالی حسد سے
ہر اک دل میں خیر العمل مسکرائے

ہمیں بھی صلہ محنتوں کا ملے کچھ
شجر پر ہمارے بھی پھل مسکرائے

مری جھونپڑی میری کُٹیا پہ مظہر
حویلی ہنسے اور محل مسکرائے

مجاہد پور (ویسٹ) مکان نمبر ۱۷، بھاگل پور۔۸۱۲۰۰۲ (بہار)

غزل

جمیل مظہر

تجھ سے بیزار دل نہ کیا ہو تو بتا
خود سے بھی تیرے سوا پیار کیا ہو تو بتا

ایک آنسو بھی میری آنکھ سے نکلا ہو تو بول
تجھ سے غم کا کبھی اظہار کیا ہو تو بتا

کونسی بات ہے ہم نے جو نہ مانی تیری
کوئی سی بات سے انکار کیا ہو تو بتا

تو نے جو کچھ بھی کیا ہنس کے سہا سب میں نے
تجھ سے شکوہ یا پلٹ وار کیا ہو تو بتا

اپنی بربادی کا الزام بھی خود پر رکھا
میں نے رسوا تیرا کردار کیا ہو تو بتا

پیار بھی میں نے کیا ہے تو عبادت کی طرح
ایک لمحہ بھی گنہگار کیا ہو تو بتا

مظہرؔ اب جان پہ بن آئی ہے تو روتا کیوں ہے
تجھ کو پہلے نہ خبردار کیا ہو تو بتا

مین مارکیٹ، گڑھ مکتیشور، ہاپوڑ۔۲۴۵۲۱۵

غزل

ڈاکٹر رضوان الرضا رضوانؔ

ہوائیں بہت آج پرزور ہیں
گھٹائیں بھی لگتا ہے گھنگھور ہیں

جب اس نے ڈالی ہے ہم پر نظر
پسینے سے ہم بھی شرابور ہیں

جو اہل خرد ہیں وہ تیری طرف
جو اہل جنوں ہیں مری اور ہیں

پتنگیں تو سب ٹوٹ کر گر گئیں
مرے ہاتھ میں ڈور ہی ڈور ہیں

یہاں ہوتا رہتا ہے زیروزبر
وہ مظبوط ہونگے جو کمزور ہیں

وہ جو چیختے ہیں وہ ہیں بے صدا
جو بیٹھے ہیں خاموش، پرشور ہیں

بہت ہیں جو مرکر بھی مرتے نہیں
بہت ہیں جو زندہ ہی درگور ہیں

ڈاکٹر عبدالعلی طبیہ کالج، کٹولی، ملیح آباد، لکھنؤ۔۲۲۷۱۱۱

دروازہ

اطہر حسن اطہر

میں

دروازہ پر کھڑا ہوں
دیکھتا ہوں
لوگوں کو آتے جاتے
معائنہ کرتا ہوں خوش نظاروں کا
جو دلکش ہیں
دل نشیں ہیں
دل فریب ہیں
اور بہت حسین ہیں
اچانک شور برپا ہوا
آوازیں بلند ہوئیں
نعروں کی گولیوں کی
چیخوں پکار کی
آہوں بقا کی
بے بس ولاچار کی
میں دیکھتا رہا سب
اُنکو دیکھا لڑتے ہوئے
جو ہم سائے تھے
ہم خیال تھے
ہم پیالہ تھے
جو کھاتے تھے قسمیں
مرمٹ جانے کی

سچ

وہ مرمٹے
ایک دوسرے کی جان لیکر
میں نے دیکھا یہ بھی منظر
ایک گھر سے دھنواں اُٹھکر چھو گیا
آسمان کی بلندی کو
بھڑک رہی ہے آگ اب بھی
چتا کا روپ لیکر
جل رہی تھی ایک لڑکی
آبرو لٹ جانے کے ڈر سے
میں دروازے پر یونہیں کھڑا رہا
دیکھتا رہا سبھی مناظر
پھر دیکھا ایک بچہ
روتا بلکتا
تلاش اپنی ماں کی کرتے
نہ خبر تھی مجھکو اس حادثے کی
میں سوچتا ہوں
کاش!
میں دروازے پر ہی نہ ہوتا
اور نہ دیکھتا یہ منظر۔۔۔

غزلیں

اطہر حسن اطہر

اُداسیوں کا تمہاری میں حساب کردوں گا
ہنسا ہنسا کہ میں تم کو گلاب کردوں گا

سفر بھی بن جائیگا باکمال سفر اپنا
شعروں سے اپنے تم کو میں چہرا کتاب کردوں گا

کہدو کہ کرے ہر وقت وہ طنز مجھ پر
گر اپنی پے آیا تو لاجواب کردوں گا

آتا ہوں محفل میں یہ خواہش لے کر
مرجھائے پھولوں کو میں شاداب کردوں گا

وہ بولتا ہے مجھسے سیاست گروں کی زبان
ایک دن میں اُسے سرمحفل میں بے نقاب کردوں گا

گر میرے اشعار سے تسکین قبل ہوجائے
میں بھی تم کو سرخم نظر آداب کردوں گا

دل کی خوشیوں کو لے گیا کوئی
غم زمانے کے دے گیا کوئی

میں تھا انجان اپنی ہستی سے
مجھکو پہچان دے گیا کوئی

بہت دور تک تھا یاروں کا بسیرا
بستی کے اس پار مجھے لے گیا کوئی

ہر سفر میں ضروری ہے ہم سفر
کیا کبھی ساتھ ختم سفر پہ گیا کوئی

147/A، گلی نمبر 7، جعفر آباد، دہلی۔53

غزل

انور جاوید شاداںؔ

آگ کو پھول کہا برف کو پانی لکھا
موسمِ گل کو گلستاں کی جوانی لکھا

یہ ستم بھی کیا کہ سرخ کو دھانی لکھا
اُس ستم گر نے حقیقت کو کہانی لکھا

خار کو فار لکھا آب کو پانی لکھا
جو حقیقت تھی وہی اُس نے زبانی لکھا

پی گیا گرچہ سمندر کا سمندر پھر بھی
ابرِ باراں نے اُسے تشنہ دہانی لکھا

چند فقرے ہی کہے شان میں اُن کی میں نے
اور یاروں نے اُسے شعلہ بیانی لکھا

آپ حیراں ہوئے کیوں پڑھ کے فسانہ میرا
مجھ پہ جو گزری وہی اپنی کہانی لکھا

تتلیاں کرنے لگیں رقص اُسی دم شاداںؔ
آپ نے جب اُنھیں خوشبو کی دوانی لکھا

شاہ جمعہ سہرام، روہتاس، بہار

غزلیں

ہرندر گری شاد

عجب حال ہے ہم جدھر دیکھتے ہیں
تجھی کو اے جانِ جگر دیکھتے ہیں

نہ دل پر ہے قابو نہ ہے ہوش باقی
تیرے پیار کا ہم اثر دیکھتے ہیں

کسی اور شئے کی ضرورت نہیں ہے
ہمیں ہم تو اب رات بھر دیکھتے ہیں

نکل جاتے ہیں جونگاہیں بچا کر
ہم اُن کی فقط رہ گذر دیکھتے ہیں

وہ کیا دیکھتے ہیں ہمیں بھی بتائیں
ہم چلتے پرندوں کے پر دیکھتے ہیں

اٹھاتے تھے جو انگلیاں میری جانب
وہی شاد مجھ میں ہنر دیکھتے ہیں

آپ اپنا جواب ہوتا ہے
حسن جب بے نقاب ہوتا ہے

ظلم سہتا ہے جو حسینوں کے
مجھ سا خانہ خراب ہوتا ہے

اُن کی آنکھوں کا ایک ایک منظر
ارغوانی شراب ہوتا ہے

دل میں طوفان بپا ہوتا ہے
حسن جب محوِ خواب ہوتا ہے

عرضِ مطلب یہ سر جھکا کے وہ
شرم سے آب آب ہوتا ہے

پیار سے جب بھی چھیڑتا ہوں شادؔ
اُن کا چہرہ گلاب ہوتا ہے

غزل

اشتیاق کامل

تیرا میرا یہ اختلاف الگ
اور حقیقت کا اعتراف الگ

مدّتیں دل کو جوڑنے میں لگیں
جُڑ گیا اک خطِ شگاف الگ

ایک تو سو رہی ہے قوم اس پر
بے حسی کا پڑا لحاف الگ

تیری چاہت مصمم اپنی جگہ
تیری باتوں سے اعتراف الگ

ہے الگ چیز باطنی چہرہ
اور اس پر چڑھا غلاف الگ

وہ بھی ناراض ہو کے لوٹ گیا
اور رہا میرا موڈ آف الگ

یہ الگ بات جرم ثابت ہے
لاکھ دنیا کرے معاف الگ

عدل کی بولیاں لگیں جس دم
آیا قاتل نکل کے صاف الگ

تو ہے کمزور سا دیا کامل
اس پر آندھی ترے خلاف الگ

۱۲۲۵ اے مومنپورہ قبرستان روڈ، بھانکھیڑہ، ناگپور

غزل

عبرت مچھلی شہری

سچ تو نے کہا دُنیا تو میری بھی نہیں ہے
میری جو نہیں ہے تو یہ تیری بھی نہیں ہے

ہیں دور تلک اُسکی رفاقت کے۔۔اُجالے
یادوں کی گلی اتنی اندھیری بھی نہیں ہے

ٹھہریں بھی کہاں تیری محبت کے مسافر
رستے میں کہیں چھاؤں گھنیری بھی نہیں ہے

اغیار کے ہاتھوں میں چلی جائے نہ اک دن
اُفتادہ زمیں قوم نے گھیری بھی نہیں ہے

مرنے سے مسائل تو کبھی حل نہیں ہوتے
یہ خودکشی دراصل دلیری بھی نہیں ہے

عبرت مجھے تقدیر دکھانے لگی۔۔آنکھیں
مجھ سے نظر اس نے ابھی پھیری بھی نہیں ہے

اخلاص احمد عبرت مچھلی شہری محلّہ خانزادہ، پوسٹ مچھلی شہر، ضلع جونپور، یوپی۔۳

غزلیں

ڈاکٹر علی عباس امید

وہ میرے ساتھ چلا تھا مگر تھکان میں تھا
یہی تو فرق میرے اُس کے درمیان میں تھا

اُداس نسلیں اسی سوچ میں بکھرتی رہیں
نصیب اُن کا کہیں دور آسمان میں تھا

تمام رشتے وہی ہیں، تمام رسمیں بھی
بس اک خلوص نہیں ہے جو پان دان میں تھا

اُسی کی یاد میں جیتے ہیں آج تک سب لوگ
وہ ایک شخص بیگانہ جو خاندان میں تھا

تمام شہر تھا خوابوں کی تیز بارش میں
میں اپنی ذات کے جلتے ہوئے مکان میں تھا

حقیقتوں کو پلٹ کر وہ دیکھتا کیسے
کہ لمحہ لمحہ بکھرنا تو آن بان میں تھا

بتاتا رہتا تھا موسم کا کاروبار ہمیں
چھپا ہوا وہ پرندہ جو سائبان میں تھا

وہ میری سانس میں بس کر بھی دور دور رہا
مجھے یقین تھا لیکن وہی گمان میں تھا

ہمارے نیندوں میں امید چبھ رہا ہے ابھی
تیرے خیالوں کا وہ تیر جو کمان میں تھا

میری بستی میں جب بھی آؤ گے
سونی آنکھوں میں خواب پاؤ گے

میں نے آخر غموں سے پوچھ لیا
کیا کہیں اور اب نہ جاؤ گے

آس کی شاخ تو ہری نہ ہوئی
پوچھتے ہیں مسکراؤ گے

چند ہاتھوں میں سب کی تقدیریں
کس کو یہ آئینہ دکھاؤ گے

نظریں ملتے ہی وہ یہ کہنے لگے
پھر کوئی داستاں سناؤ گے

شام نے حوصلہ بھی چھین لیا
صبح بولی تھی کچھ تو لاؤ گے

زندگی اک فریب ہے اُمیدؔ
لاکھ ڈھونڈو گے کچھ نہ پاؤ گے

ڈاکٹرس کالونی، عیدگاہ ہلز، بھوپال ۴۶۲۰۰۱ (ایم پی)

میرے ایک شاعر دوست نے فون پر مجھ سے کہا: ''میری کتاب کا اجرا ہونے جا رہا ہے۔ تمہارے شہر میں تعلیمی ادارے سے منسلک کوئی کروڑ پتی ہستی ہو تو مجھے اس کا نام بتاؤ۔''

میں نے کہا: ''کیوں؟''

شاعر نے کہا: ''میں اپنی کتاب کے اجرا کے اس پروگرامی میں اپنے شہر سے اور مہاراشٹر کے تمام بڑے شہروں سے تعلیمی اداروں کے بڑے بڑے لوگوں کو اُن کے استقبال کے بہانے سے یہاں بلوا رہا ہوں۔ ان کے سامنے اپنی کتاب اور شاعری کے متعلق ایسی تقریر کروں گا کہ اجرا کے بعد وہاں موجود ہر شخص دس ہزار بیس ہزار میں میری کتاب خریدنے پر مجبور ہو جائے گا۔''

میں نے کہا: ''جناب والیٰ، اس صورت میں یہ تمہاری کتاب کے اجراء کا پروگرام نہ ہو کر تمہارے مجرے کا پروگرام ہو جائے گا۔''

اجراء بمقابلہ عقیقہ :

شاعر صاحب نے اپنی کتاب کے اجراء کے پروگرام کے سلسلے میں آل انڈیا مشاعرہ کروایا اور تین لاکھ روپئے خرچ کر دیئے۔ پروگرام کے بعد بیوی نے شاعر صاحب سے کہا: ''میرے بچے پیدا ہوئے تو آپ نے ان کا عقیقہ تک نہیں کروایا اور اپنی اس کتاب کے اجراء پر تین گھنٹے میں تین لاکھ روپئے پھونک ڈالے۔ کیا یہ کتاب ہمارے بچوں سے زیادہ قیمتی ہے؟''

شاعر صاحب نے متانت سے کہا: ''بیگم اولاد کے پیدا ہونے کا معاملہ تو ایسا ہے کہ میری اور تمہاری رضامندی ہو تو دو چار منٹ کی کوشش سے ہم ہر سال ایک بچہ پیدا کر سکتے ہیں، سو ہم نے کئے۔ لیکن میری یہ کتاب گذشتہ تیس سال کی دن رات کی سوچ وفکر، کڑی محنت اور تخیل کی بے پناہ پروازوں کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے۔ بیگم، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس کتاب کی کچھ غزلوں کو مکمل کرنے میں مجھے تمہاری دروزہ کی اذیت سے زیادہ اذیتوں سے گزرنا پڑا ہے۔ حق بات تو یہ ہے کہ میری اس کتاب کا مقابلہ اپنی اولادوں سے کسی بھی صورت میں نہیں کیا جا سکتا۔''

یہ سن کر بیگم نے غصہ سے شاعر صاحب کی کتابوں کے ڈھیر کو ایک زوردار لات ماری اور کہا: ''ٹھیک ہے تو، بچوں کے بجائے انھیں کے ساتھ اپنی زندگی کے بقیہ دن گزارو۔'' اتنا کہہ کر بیگم پیر پٹکتی ہوئی اپنے بیڈروم میں چلی گئیں۔

شرم کی بات :

دوران سفر میں نے اس امریکی کو ہزار طرح سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ مسلمان امریکہ سے کمزور نہیں ہیں۔ اسے کبھی بھی نیست و نابود کر سکتے ہیں لیکن اپنی دلیلوں سے اس نے مجھے ہر بار خاموش کر دیا۔ آخر زچ ہو کر میں نے کہا کہ ہماری مذہبی کتابوں میں ایسی ایسی باتیں لکھی ہوئی ہیں کہ اگر ان کو پڑھ کر ہم تمہارے ملک پر پھونک دیں تو تمہارا ملک دھواں بن کر اڑ جائے گا۔ میری اس بات کو سن کر وہ بہت ہنسا، دیر تک ہنستا رہا پھر اس نے مجھ سے کہا کہ دنیا میں جتنے اسلامی ممالک ہیں وہ سب سر جوڑ کر بیٹھ جائیں اور چاہیں کہ کوکا کولا، پیپسی، مرنڈا اور اسپرائٹ جیسا معمولی سا ایک شربت تیار کر لیں تو تیار نہ کر پائیں گے جن کی لاکھوں بوتلیں روزانہ حج اور عمرہ کے دنوں میں مکہ اور مدینہ میں فروخت ہو جاتی ہیں۔ صرف عرب میں ہی نہیں سارے اسلامی ممالک میں دو روپئے میں تیار کیا ہوا یہ مشروب ۱۵ روپئے میں ڈھڑلے سے فروخت ہو رہا ہے۔ اگر تم لوگ یہ بنا لیتے تو صرف اس کی کمائی سے ہی تمہارے کئی غریب ممالک مالدار بن جاتے۔ لیکن تم لوگ جو ایک معمولی سی چیز تو تیار کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہو۔ امریکہ کو نیست و نابود کرنے کی بات ضرور کرتے ہو حالانکہ صدام حسین اور اسامہ بن لادین کا حشر تمہارے سامنے ہے۔''

اس کی اس بات کو سن کر میرا سر شرم سے جھک گیا۔

نجیب منزل، نزد لال اسکول، مومن پورہ، ناگپور۔ ۴۴۰۰۱۸ (مہاراشٹر)

افسانچے

وکیل نجیب

غلط فہمی :

میرے ایک دوست نے مجھ سے پوچھا: ''یہ جو ایک چکنے چہرے والے ریٹائرڈ پرنسپل صاحب ہیں۔ بہت مٹک مٹک کر چلتے ہیں۔ اکثر نئے نئے نوجوان صحت مند لڑکوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسکرا مسکرا کر ان سے باتیں کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ معاملہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے؟''

میں نے کہا: ''دراصل وہ نوجوان لڑکے ان کے شاگرد ہیں اور اب اچھی پوزیشن کے مالک بن چکے ہیں۔ ان کے ساتھ رہ کر پرنسپل صاحب اپنے چائے پان اور ناشتے کا خرچ بچا لیتے ہیں۔ کچھ پیسے بھی ان کی جیب میں آجاتے ہیں اور آپ جیسا سوچ رہے ہیں نا، ویسی کوئی بات نہیں ہے۔''

فرق :

جنرل پوسٹ آفس کے سامنے ایک صاحب ایک لڑکی کے ساتھ آئے اور چلا چلا کر ڈپارٹمنٹ کے لوگوں کو گالیاں دینے لگے۔ ان کے ہاتھ میں ایک بھگوا جھنڈا بھی تھا۔ جنرل پوسٹ ماسٹر اور دفتر کے بہت سے کرمچاری دفتر سے نکل کر باہر آگئے۔ جنرل پوسٹ ماسٹر نے چلانے اور گالیاں دینے والے شخص سے پوچھا کہ آخر ان کی برہمی کا سبب کیا ہے۔

اس شخص نے کہا: اسپیڈ پوسٹ سے روانہ کیا ہوا۔ میرے بچی کا انٹرویو لیٹر آج ایک ہفتے بعد ملا جبکہ کل دوسرے شہر میں اس کا انٹرویو ہے۔ اسپیڈ پوسٹ سے روانہ کرنے پر بھی یہ تاخیر کیوں ہوئی۔ مجھے اس کا ہرجانہ چاہئے، ورنہ میں اس تاخیر کے خلاف اوپر شکایت کروں گا۔''

جنرل پوسٹ ماسٹر نے کہا: ''آپ کی بچی کا انٹرویو لیٹر دیر سے ملا تو آپ اس قدر شور مچا رہے ہیں۔ افضل گرو کو تو پھانسی پر لٹکا دینے اور اسے زمین میں گاڑ دینے کے بعد اسپیڈ پوسٹ کا لیٹر اس کے گھر کے لوگوں کو ملا تھا۔ ان لوگوں نے تو اتنا واویلا نہیں مچایا۔ آپ یہ بکواس یہاں نہ کریں۔ یہاں سے چلے جائیں ورنہ مجھے یہاں پولس بلوانی پڑے گی۔''

اس شخص نے ہاتھ کے جھنڈے کو لہرا کر اور چلا کر کہا: ''ہاں پولس بلوایئے۔ ضرور بلوایئے۔ ۱۵ فیصد لوگوں کے ساتھ کیا جانے والا سلوک آپ ۸۵ فیصد والوں کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ ورنہ یہ پورے ملک کی بنیاد ہلا کر رکھ دیں گے۔ آپ کے ڈپارٹمنٹ کی اس عمارت کی اینیٹ سے اینیٹ بجا دیں گے۔''

یہ سن کر جنرل پوسٹ ماسٹر کے ساتھ کھڑے کچھ ملازمین جھنڈے والے شخص کے پیچھے آکر کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر پوسٹ ماسٹر جنرل کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے اس شخص سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی اور لڑکی کو ہوائی جہاز سے روانہ کرنے لے پیسے دے کر انھیں وہاں سے رخصت کیا۔

دو سانڈ :

''ابو جی دو سانڈ لڑتے ہیں تو بستی کے بہت سے مکان ٹوٹ جاتے ہیں۔ لیکن جب دو ادیب لڑتے ہیں تو کیا ہوتا ہے؟''

''بیٹا۔ جب دو ادیب لڑتے ہیں تو ان کے اندر اور باہر کی ساری غلاظت دھیرے دھیرے باہر آنے لگتی ہے۔ جس سے پورا ادبی ماحول گندہ اور بدبودار ہو جاتا ہے۔''

اجرا یا مجرا :

(اس افسانچے کا ہر لفظ سچ ہے۔ سچ کے سوا کچھ نہیں۔)

پیشہ وارانہ منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ گویا موبائل لرننگ نے انہیں اپنی کمزوریوں یا خامیوں پر قدرت حاصل کرنے میں بڑی مدد کی ہے نیز وہ اپنی تعلیمی سلسلے کو جاری رکھ سکتے ہیں۔

(۳) مرضی کے مطابق تعلیمی عمل: ان آلات کے استعمال کی بدولت طلبہ کو یہ سہولت حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق تعلیمی سلسلے کو جاری رکھ سکتے ہیں۔ اس میں ٹائم ٹیبل اور دیگر مجبوریوں کے باوجود وہ سیکھنے کے عمل کو اپنی خواہش کے مطابق جاری رکھ سکتے ہیں۔

(۴) ماہرین سے اظہار خیال: موبائل لرننگ کے دوران طلبہ بلاگ پر اپنی آرا اور پسند و ناپسند کا اظہار کر سکتے ہیں نیز اس مخصوص میدان کے ماہرین سے تبادلہ خیال کر سکتے ہیں گویا اپنے مقام پر رہتے ہوئے وہ ماہرین کے مشوروں سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔ ان سے روبرو ملاقات کرنے کے لئے لگنے والا خرچ اس طرح بچایا جا سکتا ہے۔

(۵) روایتی تعلیمی ادارے معاون: درس وتدریس کے روایتی ادارے جیسے اسکول، کالج، یونیورسٹی وغیرہ کی کارگردگی موبائل لرننگ کے ذریعہ بہتر کی جا سکتی ہے۔ موبائل لرننگ ان اداروں کی راہ میں مزاحم نہیں بلکہ ان کے کاموں میں معاون ہے۔

درس وتدریس کے میدان میں موبائل آلات کے استعمال سے انقلابی تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ طلبہ اپنی پسند ناپسند اپنی مرضی کا مطابق اور بظاہر فارغ اوقات میں سیکھنے کے عمل کو اپنی صلاحیت اور اپنی ضرورت کے مطابق جاری رکھ سکتے ہیں۔ اس میں عمر کی بھی کوئی قید نہیں اس طرح موبائل لرننگ مستقبل کی ضرورت ہے۔ وہ گھر بیٹھے مختلف کانفرنس اور سیمینارس میں شرکت کر سکتے ہیں۔

موبائل لرننگ کے نقصانات رخرابیاں

یوں تو موبائل یعنی متحرک حصول تعلیم لرننگ کا عمدہ طریقہ ہے مگر اس کی بھی کچھ حدود ہیں جیسے موبائل لرننگ کے لئے لگنے والے آلات جو نازک الکٹرانک آلات ہوتے ہیں کافی مہنگے ہوتے ہیں اور بھارت جیسے ملک میں ایک متوسط طالب علم کے لئے اس کا خرچ برداشت کرنا مشکل ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ مرور زمانہ کے ساتھ ان کی لاگت کم ہوتی جائے اور یہ مناسب داموں پر فروخت ہونے لگیں جیسے کسی زمانے میں ٹی۔ وی، موبائل فون، کمپیوٹر وغیرہ کے ساتھ ہوا۔

آج کی دنیا میں ٹکنالجی بڑی تیزی سے بدلتی ہے لہٰذا مقابلہ آرائی میں جمع رہنے کے لئے طلبہ کو نئے فیشن کے آلات سے آراستہ ہونے کی ضرورت ہے جو ایک معمولی طالب علم کے لئے مشکل ہوگا۔ اسی طرح موبائل ڈیٹا مہیہ کرنے والی کمپنیاں کچھ فیس ضرور لیتی ہیں۔ نیز بڑی بڑی فائلوں کو ڈاؤن لوڈ کرنے کے لئے بھی کافی خرچ آتا ہے اس لئے معمولی حیثیت کے طلبہ کے لئے یہ اتنا سود مند نہیں۔ آلات کی جسامت چھوٹی ہونے سے ان کی چوری ہو جانے یا کھو جانے کی خطرات بڑھ جاتے ہیں یہ بھی منفی پہلو ہے۔

اسی طرح آلات کی چھوٹی اسکرین پر زیادہ میٹر نہیں آ سکتا یا تادیر ان کو دیکھتے رہنے سے آنکھوں کے عوارض پیدا ہو سکتے ہیں۔ عموماً بیٹری کی عمر ۲ تا ۴ گھنٹے ہوتی ہے۔ اور انہیں چارج کرنا ضروری ہو جاتا ہے گویا یہ لرننگ موبائل نہیں رہ جاتی۔

ہر کیف یہ آلات موثر تدریس عمل کی اکیسویں صدی کی پہچان ہیں۔ طلبہ اور اساتذہ جتنی جلد ان کے عادی ہو جائیں بہتر ہے تاکہ طلبہ کا تنقیدہ شعور بیدات ہو سکے اور ان میں علم ذوق پیدا ہو۔

پتہ گلفشاں 61/A سول کالونی، گلمنا روڈ کامٹی۔ ۴۴۱۰۰۲ (ضلع ناگپور)

موبائل لرننگ

ڈاکٹر جاوید احمد کاٹوی

انفارمیشن ٹکنالوجی نے درس وتدریس اور علم کے حصول کے عمل پر بھی اپنے اثرات مرتب کئے ہیں۔کلاس روم، اسکول جیسے روایتی اداروں میں بھی خاصی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔اب تدریس کا عمل کلاس روم کی چار دیواری یا مخصوص عمر (جیسے۔۔۔سال) میں محدود ہو کر نہیں رہ گیا ہے۔ حصول علم اب کلاسوں سے نکل کر کھلی فضاؤں میں آ گیا ہے کیونکہ I فون، بلیک بیری، I پیڈ اور دوسرے الکٹرانک ذرائع استعمال ہونے لگے ہیں اساتذہ بھی ان آلات کے استعمال کا ترغیب دیتے ہیں گویا سیکھان سکھانا بھی موبائل (متحرک) ہو گیا ہے۔

موبائل لرننگ سے اساتذہ کے ہاتھوں میں تدریس کا لچک دار طریقہ ہاتھ آ گیا ہے۔لیپ ٹاپ، کمپیوٹر وغیرہ سے بہتر اسکول لیس نظر آتے ہیں ان کے علاوہ بھی کمپیوٹر ٹیبلیٹ، آئی فون، پی ڈی اے، آئی پیڈ نیز دوسرے آلات خصوصیت سے استعمال ہوتے ہیں اس لئے تدریس یا حصول علم یا لرننگ اینٹ کی چار دیواری میں محدود نہ ہو کر کیمپس، باغ، جیم خانہ وغیرہ میں ہونے لگی ہے بلکہ دوران سفر بھی ان کا استعمال ہوتا ہے۔جو طلبہ ان آلات سے دور تھے وہ بھی اب ان کو استعمال کر کے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ہمارے موجودہ نظام تعلیم کی سب سے بڑی یہ خرابی ہے کہ اس میں نئے خیالات ونظریات کے لئے نیز تخلیقیت کی بہت کم گنجائش ہے اس کے علاوہ بھی اس کی کئی خرابیاں ہیں مگر موبائل لرننگ سے طلبہ میں فعالیت پیدا ہو رہی ہے، انہیں کام کرنے کا حوصلہ مل رہا ہے۔جو طلبہ ٹھیک ڈھنگ سے اپنا۔۔۔۔بیان نہیں کر پاتے یا دوسروں سے اظہار خیال کرنے یا گفتگو کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں وہ علامتی طور پر بذریعہ ٹیکسٹ دوسروں سے رابطہ پیدا کر سکتے ہیں۔اس طرح سیکھنے میں ان کی دلچسپی بڑھتی ہے ان آلات کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انہیں کلاس روم کے باہر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔اساتذہ کے حق میں موبائل لرننگ کسی نعمت سے کم نہیں۔مناسب ترتیب کے بعد اپنے طلبہ کو ان ہائی ٹیک آلات سے استفادہ کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکتے ہیں۔نئی نسل تو آئی ٹی کی میدان میں پرانی نسل سے کافی آگے ہے اس صلاحیت کا فائدہ تدریس کے میدان میں لیا جا سکتا ہے۔

موبائل یا متحرک لرننگ ان باتوں یا فائدوں سے خالی نہیں

(۱) سیکھنے کا مسلسل عمل: جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے زیادہ تر افراد اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ سیکھنے کی ایک خاص عمر ہوتی ہے (عمومی طور پر ۵ سال کی عمر سے) اور اس کا سلسلہ پوسٹ گریجویشن یا پی ایچ ڈی تک چلتا رہتا ہے۔نیز تدریس کا علم اسکول/کالج کا کلاسوں کی چہار دیواری میں ہی ہو سکتا ہے مگر موبائل لرننگ اس نظریہ میں توسیع کی ہے سیکھنے سکھانے کا عمل عملی زندگی میں چلتا رہتا ہے نئے نئے تجربات مذکورہ شخصیت کا حصہ بنتے چلے جاتے ہیں ہمارے اسمارٹ فون، کمپیوٹر ٹیبلیٹ، انٹرنیٹ، پی سی، آئی پیڈ اور ان کی اصلاح شدہ اقسام جیسے اینڈرائڈ بلیک بیری وغیرہ ان تعلیمی وسائل میں داخل ہیں جن سے نئی نسل آشنا ہے اور ان کو دن رات استعمال کرتی ہے

(۲) یا بدلیوں سے برأت: عرصۂ دراز سے تہذیبی دباؤ کے تحت صنف نازک کی رسائی تعلیم تک محدود تھی یعنی وہ جنس مخالف کے مقابلے میں کافی پچھڑی ہوئی تھی اسی طرح جسمانی اعتبار سے معزور افراد جو اپنی کمزوریوں کے باعث کلاس روم یا کیمپس تک نہیں پہنچ پاتے تھے اب تعلیمی اور

اُسی وقت صغیر میاں آ گئے۔ سب کی توجہ ان کی طرف ہوگئی۔ ''تم کہاں چلے گئے تھے بھائی؟ آؤ چائے تو پی لو۔'' مکھر جی دادا نے کہا۔ ''اب کیا کریں؟ کسی نے جیسے اپنے آپ سے پوچھا۔'' میں پیسوں کا انتظام کرنے چلا گیا تھا۔ کچھ ہو گئے ہیں کچھ اور کرنے ہونگے ان کے لہجے میں اُداسی بھی شامل تھی۔ ''دس ہزار ہیں۔ باقی اور۔۔۔'' دس ہزار؟ لیکن یہ کہاں سے؟ سب کی نظریں ایک ساتھ ان کی طرح اُٹھ گئیں'' گھبراؤں مت۔۔ کہیں سے چوری کر کے نہیں لایا ہوں۔۔۔ یہ میری پورے تین سال کی جمع کی ہوئی پونجی ہے۔ پنڈت دیانند چترویدی نے غور سے اُس شخص کی طرف دیکھا۔ اور اُٹھ کر کھڑے ہوئے آتا ہوں۔ تم لوگ رانچی چلنے کی تیاری کرو۔''

جھٹپٹے کے وقت سارے لوگ رانچی پہونچ گئے۔ سنیدھی کے آپریشن کا انتظام ہو گیا تھا۔ آپریشن کے سلسلے کی فارمالٹی پوری ہوگئی کاغذات پر صغیر میاں نے ہی دستخط کئے۔ آپریشن کامیاب رہا۔ پندرہ دن بیت گئے تھے۔ سنیدھی اب ہوش میں تھی اس کی کنپٹی پر اسٹیل کی پلیٹ لگائی گئی تھی پیروں پر پلاسٹر ہوا تھا۔ سنیدھی آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھتی رہتی لیکن منھ سے کچھ نہیں بولتی تھی۔ پندرہ دن میں اس کا ایک بار بھی کچھ نہ بولنا ڈاکٹروں کے لئے شک کا باعث بنا۔ گلے کی جانچ ہوئی تو معلوم ہوا آواز کی نلی میں خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ ایک اور آپریشن کرانا ہوگا اب کہیں کوئی راشتہ نہیں بچا تھا۔ مجبور ہو کر پیر ٹھیک ہوتے ہی اسے ہاسپٹل سے ڈسچارج کرالیا گیا ماں باپ نے کہا۔'' آپ لوگوں نے اسے جیون دے دیا یہی کیا کم ہے۔ آگے اس کی قسمت شاید اس کا ماما کبھی کچھ بن کے آجائے اور اس کی آواز اسے لوٹا دے''

زندگی دوبارہ اپنی پرانی رفتار سے چل نکلی تھی۔ آفس کا کام نبٹا چکنے کے بعد صغیر میاں اُسی پتھر پر آ بیٹھے تھے۔

''اس بار بھی نہیں بلایا خواجہ؟ کیا میں اتنا گنہ گار ہوں کہ آپ کے قدموں کی خاک نصیب نہیں ہوتی؟ سوچا تھا اس بار ضرور آپ کی زیارت ہو جائے گی۔ غریب نواز کی زیارت کے ساتھ نظام الدین اور قطب کی چوکھٹ بھی چوم لوں گا مگر۔۔۔ صغیر نے منھ چھپا کر اپنے کُرتے سے آنسو پونچھ لئے۔

''ارے۔ یہ کیا سگیرا توں تو جیارت کریئے آپا رے۔'' محلے کے تین چار بزرگ اس کے سامنے کھڑے تھے۔'' کاہے مذاق کرتے ہو چاچا۔ اپنا ایسا نصیب کہاں؟''

''ایک انجان لڑکی کے لئے تم نے اپنی ساری پونجی خرچ کر کے تم نے اسے زندگی عطا کر دی اس سے بڑی زیارت اور کیا ہو سکتی ہے؟

''وہ تو پنڈت جی نے بھی۔۔۔'' ہاں۔۔ سب معلوم ہے۔ تم نے اور پنڈت جی نے تم دونوں کی یاترا پوری ہوگئی ہے اور ایک سب بڑی بات۔۔

''سنیدھی بولنے لگی ہے''

''کیا؟۔۔

''ہاں۔۔۔ اور اسکے منھ سے جو پہلے الفاظ نکلے ہیں وہ یہ ہیں۔

''سگیر ماما

''سچ۔۔۔ پنڈت دیانند چترویدی اچھل پڑے۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ایک دوسرے سے لپٹ گئے!! آس پاس کھڑے تمام لوگوں کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں!!

شیریں نیازی ٹیچرس کالونی، ریور سائڈ بھڑ کنڈہ، رام گڑھ ضلع جھارکھنڈ۔ پن ۸۲۹۱۳۵

تب سے ہی یہ بچی ہر روز اپنے ماما کا انتظار کیا کرتی تھی۔ چونکہ اسی پرانے کوارٹر کے سامنے سے ایک چھوٹا راستہ اسٹیشن کی طرف جاتا تھا۔ اس نے اپنے ماما کو اسی راستے کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اسی لئے وہ یہاں کھڑی ہو کر اپنے ماما کو پکارتی تھی اور یہ پنکتیاں گُنگُنایا کرتی تھی۔

''سات سمندر پار سے گڑیوں کے بازار سے ماما جلدی آجانا۔''

اس میں خود اپنے آپ ہی لفظ 'پاپا' کی جگہ 'ماما' جوڑ لیا تھا۔ یہی وہ آواز تھی جس نے صغیر میاں کے کانوں میں گھل کر آنکھوں میں سما کر چالیس برس پہلے کی خوابوں کی دنیا اتار دی تھی۔

اس بچی کا نام سنیدھی تھا۔ اسکول میں تیسری کلاس میں پڑھتی تھی۔ اسکول سے لوٹنے کے بعد اسی راستے پر کھڑی ہو کر وہ ماما کی راہ دیکھا کرتی تھی۔ اور جب دیوار گری تو یہی پنکتیاں اس کے ہونٹوں سے نکل کر ہوا روش پر لہراتی فضا میں رس گھول رہی تھی۔ اور اس حادثے کا احساس صغیر میاں کو انجانے ہی ہوا تھا۔ اور تب سے اب تک وہ اسے کندھے پر اٹھائے دوڑتے پھر رہے تھے۔

نیوروسرجن اسے اور تھوپیڈک سرجن کے پاس بھیج رہے تھے۔ اور تھو والے نیورو کے پاس معلوم ہوا اس چھوٹے سے ہسپتال میں پورا علاج نہیں ہو پائے گا۔ ٹمپریری ریلیف، پہونچانے کے بعد باہر لے جانا ضروری ہے۔ پندرہ بیس ہزار روپئے کا خرچ آئے گا۔ پندرہ سے بیس روپئے تک کمانے والا مزدور پندرہ بیس ہزار کہاں سے لاتا۔ سو وہ آنسو بہا کر چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

بچی کو سیوا سدن لے جانے کا مشورہ دیا تھا ڈاکٹروں نے۔ آفیسر سے لر کر مزدور تک نے اپنی جیبیں پلٹیں دو دس پانچ بیس پچاس مشکل سے پانچ سو روپئے جمع ہوئے خیر رانچی تک گاڑی بک کرا کر جانے کا کرایہ نکال کر کچھ پیسے بچے تھے۔ جو دواؤں کے لئے سنبھال کر رکھ لئے گئے۔ سنیدھی کا علاج پورے دس گھنٹے بعد شروع ہوا تھا۔ ایسے میں اس کا زندہ رہ جانا بھی چمتکار ہی تھا۔

شاید وہ اُن نیک جذبوں کا اثر تھا جو اس انجانی بچی کے لئے انسانوں کے دل میں جاگے تھے۔ لیکن ابھی بیس ہزار روپیوں کا مسئلہ باقی تھا۔ سب لوگ پھر ایکساتھ سر جوڑ کر بیٹھے لیکن اتنے پیسے کا معاملہ سب کی ہمت کو توڑ دیتا تھا۔

اچانک بھیڑ میں سے صغیر میاں اٹھے اور کہیں چلے گئے۔

''بے چارا سگیر بڑا تھکا ہے۔ بڑھیا ہے تھوڑی دیر آرام کرلے۔

''تم لوگوں نے کل سے کچھ کھایا نہیں۔ چلو کینٹین میں چل کر چائے پی لیتے ہیں۔ پھر دماغ سوچنے کی استھتی میں آجائے گا۔'' مکھرجی دادا نے کہا تو سب نے حامی بھر لی ''چلی'' ''چندہ کیا جائے؟''

''ارے کیسی بات کرتے ہو تم لوگ۔ مہینے کے آخری دنوں میں سب کی جیب خالی ہو جاتی ہے۔ ہم جتنے ساتھی یہاں ایسکیوشن میں ہیں سب ملا کر پچاس پچاس روپئے بھی جمع کریں تو بھی دو تین ہزار روپئے سے زیادہ۔۔ بہت ہوا تو پانچ ہزار اگر آفیسروں نے بھی مدد کی باقی۔؟'' باقی کا کیا ہوگا؟''

قدم اُٹھ گئے۔ندی کے اس پار جانے والے راستے کی طرف ندی کا پاٹ چوڑا نہیں تھا۔اس پار سے اُس پار جانے کا راستہ بھی تھا۔پہونچنے میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگتے تھے۔

شاید یہی آواز تھی جس نے انہیں خوابوں کی وادی سے لوٹا دیا تھا۔وہاں پہنچ کر پلاش کے پیچھے کے خالی پن کا راز انہیں معلوم ہو گیا تھا۔کوارٹر شاید ابھی ابھی ڈھا تھا۔جبکہ اس وقت نہ تیز بارش تھی نہ ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے۔اس کا مطلب دور کسی کان میں بلاسٹنگ ہوئی ہوگی۔یا بھینسوں کا ریلہ ٹکرایہ ہوگا۔بہرحال دیوار ابھی ابھی گری تھی یہ بات واضح تھی۔

آبادی یہاں سے دور ہونے کے باوجود ان کے دل میں خیال آ رہا تھا کہیں کوئی دب نہ گیا ہو۔اور یہ خیال آتے ہی وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آ کر انہیں جگانے لگے۔

''ارے بھیّا اسے گرنا تو تھا ہی گرنے دو۔وہاں کوئی رہتا تھوڑے ہی تھا کاہے کو نیند خراب کرتے ہو؟''

''پھر بھی۔۔۔۔دیکھ لینے میں حرج ہی کیا ہے گائے، بکری بھی دب سکتی ہیں۔''

''گائے بکری۔۔ہاں گائے بکریاں تو گھاس کھانے آیا کرتی تھیں۔چلو چل کر دیکھ ہی لیں۔کچھ دیر بعد ہمیں جاگنا تو تھا ہی۔چھٹی ہونے ہی والی ہے۔''مکھرجی دادا نے کہا چند ہی منٹوں میں سب کے سب وہاں پہونچ گئے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔

''ارے۔۔۔اُدھر۔۔دیکھو چُٹیا۔۔۔''مکھرجی دادا چلا اٹھے تھے۔اینٹوں کے ڈھیر کے اندر ربن سے بندھی بالوں کی چھوٹی سی چوٹی باہر جھانک رہی تھی۔

''کیا کوئی بچی؟۔۔اور اس خیال کے آتے ہی سب ایکٹیو ہو گئے۔سب کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔کوئلری آفیسروں کو بھی خبر ہو گئی تھی۔بھیڑ امنڈ آئی جلد جلدی اینٹیں ہٹائی جانے لگیں۔ایک آٹھ نو سال کی بچی وہاں دبی ہوئی تھی۔بچی کے دائیں پیر کی ہڈی شاید ٹوٹ گئی تھی۔دائیں کنپٹی پر بھی گہری چوٹ تھی وہ بے ہوش تھی۔صغیر میاں بچی کو کندھے پر اُٹھا کر ہاسپیٹل کی طرف دوڑ پڑے ان کے ساتھ اکے سارے ساتھی چل رہے تھے سب کے چہرے سوکھے ہوئے اور ماتھے پر پیر شانی کا پسینہ تھا۔ایمرجنسی وارڈ میں اس وقت ڈاکٹر بھی نہیں تھا۔نرسوں نے ٹیٹنس کا انجکشن لگا دیا مکھرجی دادا کسیکی بائک اٹھا کر ڈاکٹر کے گھر کی طرف دوڑ پڑے۔دیوار کے نیچے سے نکالنے۔اسے لے کر ہسپتال پہونچنے۔ڈاکٹر کے گھر جانے واپسی آنے تک لگ بھگ دو گھنٹے بیت گئے تھے۔

سارے لوگ اپنے گھر لوٹنے کی بات بھول کر اس بچی کی سیوا میں جٹ گئے تھے۔معلوم ہوا بچی کے ماں باپ دونوں مزدوری کرتے تھے پندرہ بیس روپئے روز کی کمائی ہوتی تھی آبادی سے ذرا ہٹ کر مٹی اور پھوس کی ایک جھونپڑی تھی۔جس میں اس بچی کے ماں باپ اس کا ایک چھوٹا سا بھائی اور ایک ماں کا بھائی یعنی کہ بچی کا ماما رہا کرتے تھے۔اس کا ماما اپنی بھانجی کو بہت پیار کرتا تھا۔بڑی محنت سے ایک سرکاری اسکول میں پڑھ کر میٹرک پاس کیا تھا۔اور پھر روزی روٹی کی تلاش میں گھر سے نکل گیا تھا۔

اصلی تیرتھ

شیریں نیازی

ندی کنارے کھیلتے اُدھم مچاتے چند بچوں میں سے ایک بچہ گر پڑا تھا۔

صغیر میاں کی آنکھ کھل گئی۔ چند منٹوں میں ہی وہ اب سے چالیس برس پہلے کا فاصلہ طے کر کے پھر اُسی جگہ لوٹ آئے تھے۔ لیکن چالیس برس پہلے والی اُس صاف شفاف ندی جس کے کنارے آم کا باغیچہ تھا جس میں گرمیوں کی بھری دوپہری میں بچے کھیلا کرتے تھے۔ شاخوں میں چھپی کوئلیں کو کا کارتی تھیں۔ کیریوں کی خوشبو سارے میں پھیلی ہوتی تھی۔

اُس ندی اور اِس ندی میں بڑا فرق تھا۔ ابھی جس ندی کے کنارے پتھر پر صغیر میاں لیٹے ہوئے تھے یہاں کہیں آم کا باغیچہ نہیں تھا۔ ندی کا پانی میلا میلا تھا کنارے کوئلے کے اونچے ٹیلے تھے۔ دھول تھی کثافت تھی اور مشینوں کی گڑگڑاہٹ تھی۔ گرچہ ادھر چند دنوں سے مشینیں خراب پڑی تھیں پروڈکشن نہیں ہو رہا تھا اس لئے ہلکا پھلکا کام نپٹانے کے بعد لوگ دوپہر بھر آرام ہی کیا کرتے تھے۔

صغیر میاں کی عادت زیادہ سونے کی نہیں تھی۔ لنچ کے بعد ہلکی پھلکی جھپکی لے لیا کرتے تھے۔ پھر کوئی گپ شپ کرنے والا مل جاتا تو اس کے ساتھ بیٹھ جاتے یا پھر نمازیں پڑھا کرتے۔

اِس دوپہر بات چیت کرنے والا کوئی نہیں ملا تھا گرمی کچھ زیادہ ہی لگ رہی تھی لنچ کے بعد لوگ اِدھر اُدھر شیڈوں کے نیچے آرام کر رہے تھے۔ ساری نمازیں پڑھ چکنے کے بعد صغیر میاں بھی کچھ دیر کے لئے اس پتھر پر لیٹ گئے تھے۔ اور ان کی آنکھ جھپک گئی تھی۔ کیونکہ ندی کے اُس طرف سے ایک باریک سی آواز ہوا کے دوش پر لہراتی ہوئی ان کے کانوں کے اندر لوریاں بن کر سما رہی تھی۔ بچپن کے لمحات خواب بن کر آنکھوں میں اتر آئے تھے۔

''سات سمندر پار سے گڑیوں کے بازار سے ماما جلدی آجانا''۔ آنکھ کھلتے ہی صغیر میاں کلمہ پڑھ کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اپنا گمچھا کھندے پر ڈال لیا۔ قمیض کی باہنہ کھول کر گھڑی دیکھی۔ چھٹی ہونے میں پورا ایک گھنٹہ باقی تھا۔

اُسی وقت ان کی نظر ندی کے اس پار اُٹھی اور اُس کنارے کا حصہ انہیں کچھ خالی خالی سا لگا۔ گرچہ بوڑھے پلاش کا پیڑ ابھی وہیں کھڑا تھا۔ پھر بھی ایک عجیب سا خالی پن محسوس ہو رہا تھا۔

اغل بغل سب کچھ ویسا ہی تھا۔ ان کے ساتھی مکھرجی دادا، اور پنڈت جی اور سنگھ صاحب ابھی بھی نیند کے مزے لے رہے تھے۔

کبھی کبھی سامنے رہتے ہوئے بھی کوئی چیز نظر نہیں آتی یا پھر دماغ کچھ دیر کے لئے کام کرنا بند کر دیتا ہے۔ کچھ ایسا ہی صغیر میاں کے ساتھ بھی ہوا ہوگا۔ اور چند لمحوں بعد جب ذہن کے دریچے کھلے تو معلوم ہوا۔ کل تک جو ایک پرانا کوارٹر وہاں ہوا کرتا تھا وہ آج نظر نہیں آ رہا ہے۔ چونکہ اس کی حالت بہت خستہ تھی اس لئے اس میں کوئی نہیں رہتا تھا۔ کھڑکیاں اور دروازوں کے پلے لوگ اکھاڑ لے گئے تھے۔ آنگن میں لمبی لمبی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ مگر راتوں رات یہ کوارٹر غائب کیسے ہو گیا۔ ٹوٹا ہوا ہی سہی مگر وجود تو تھا ہی اس کا۔ صغیر میاں نے آنکھیں سکوڑ کر دیکھا۔ پھر اپنے آپ ان کے

رام رحیم ایشور اللہ سب خالق کے نام
کسی بھی ادب میں اسکی پوجا کرنا ہے شبھ کام
مسجد مندر اور گردوارے سب ہی اسکے دھام
ان کو لیکر یہاں جو جھگڑے ہے مورکھ گیان
کیوں تم ہو گئے نادان۔۔۔۔۔

اصل دھرم ہے سب دھرموں کی عزت کرنا
وطن کی الفت میں جینا اور وطن کی آن پر مرنا
دیش کے سارے رہنے والے ہیں پریوار سمان
کیوں تم ہو گئے نادان۔۔۔۔۔۔

نیک بنو نیکی پھیلاؤ کرو نیک بیوہار
دھرم یہی ہے سب سے کرو تم پریم محبت پیار
سبق اس کا تم کو دیتے پیغمبر اوتار
پاٹھ اس کا تمہیں پڑھاتے گیتا اور قرآن
کیوں تم ہو گئے نادان۔۔۔۔۔

الغرض اب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قومی یکجہتی کے لئے صرف یہ نصیحت کافی نہیں ہے کہ ہندو مسلمان سکھ عیسائی و دیگر قوم کے لوگ محبت اور اخوت کیساتھ زندگی بسر کریں بلکہ سب کسی کو اپنی کمی اور کمزوریوں کے اسباب تلاش کرنی چاہئے اور حتی المکان انہیں دور کرنے کی کوشش بھی کرنی چاہئے اور اگر ہم سب ایسا کرتے ہیں تو ہماری قومی یکجہتی برقرار رہ سکتی ہے اور بقول افسر میرٹھی کہ

ہندو ہیں مسلم ہیں یا سکھ ہیں یا عیسائی
بھارت نام کے عاشق ہیں ہم بھارت کے سودائی

اور پھر کسی دیگر شاعر کہ

ہندو مسلم سکھ عیسائی
آپس میں ہیں بھائی بھائی

کہنے میں ہم حق منجانب کہے جا سکتے ہیں ورنہ سب بے سود اور سب بیکار

از ڈاکٹر کبیر الدین خاں وارثی وارث منزل پٹھان ٹولی جگدیش پور، آرا

واقفیت بھی رکھے جن کے بیش قیمت مشورے قومی یکجہتی کی اہمیت کو مزید اجاگر کرنے میں مشعلِ راہ ہیں۔ان دانشورون میں اول نام ڈاکٹر رادھا کرشنن کا ہے جنہوں نے مذہب سے متعلق یہ کہا ہے کہ

''مذہب ایک واروات قلبی ہے جس سے انسان کی کایاپلٹ ہوجاتی ہے۔
یہ خدا کے بارے میں کوئی علمی نظریہ نہیں ہے بلکہ ایک روحانی شعور ہے۔''

اس سلسلے میں دوسرا نام بابائے قوم مہاتما گاندھی کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ

''مذہب انسانی فطرت کا پائیدار عنصر ہے جو انسان کی قلب ماہت کردیتا ہے جو روح کو اس وقت تک چین نہیں لینے دیتا جب تک وہ اپنے آپ کو نہ پالے، اپنے خالق کو نہ پہچان لے اور اپنی اس حقیقی مطالقت سے آگاہ نہ جائے''

صوفیاء کرام نے بھی قومی یکجہتی پر ہمیشہ زور دیا ہے۔انیسویں صدی کے ایک صوفی حاجی وارث علی شاہ نے اپنے ایک قول میں یہ فرمایا ہے کہ'' جو رب ہے وہی رام ہے''۔اور یہ بھی کہا کہ''ہماری منزل عشق ہے ہم سے جو محبت کرے ہمارا ہے۔خواہ وہ چمار یا خاکروب ہی کیوں نہ ہو''ان کا یہ قول قومی یکجہتی کی کتنی عمدہ مثال ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ آج کے دور میں قومی یکجہتی، قومی ہم آہنگی اور قومی کیتا جیسے الفاظ اور اصطلاحوں کو کچھ اسطرح استعمال کیا جانے لگا ہے کہ لسانی طور پر اسکی خصوصیت کم سے کم ہوتی جارہی ہے اور آج یہ الفاظ اسقدر فرسودہ لگنے لگے ہیں کہ زیادہ تر لوگ اس کا کچھ نوٹس ہی نہیں لیتے بلکہ اسطرح کے الفاظ اور اصطلاحوں کو محض سیاسی نعرہ بنا کر پیش کرنے لگے ہیں اور ان سیاسی اغراض اور سیاسی ضورتوں نے ملک میں ایک بدترین صورت پیدا کر رکھی ہے کہ ذات پات زبان و مذہب کا اب سیاسی استعمال عام طور پر ہونے لگا ہے۔یہاں تک کہ مذہبی لوگ بھی مذہب کو سیاسی طور پر استعمال کرنے لگے ہیں جسکے نتیجہ میں فرقہ پرستی، ذات پات، تفریق واختلافات کم کرنے کی غرض سے اور بھی موثر اقدام اٹھانے پر ہم سب نے فلائی، سائنسی دور میں داخل ہونے کو ترجیح دے رکھی ہے۔مگر باوجود اس کے قومی یکجہتی کی اہمیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے اور مستقبل میں اسکی اہمیت کو برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم تنگ نظری فرقہ پرستی ذات پات کی تفریق کو ختم کرنے کیلئے ہمیشہ جی جان سے جدوجہد کرتے رہیں اور ملک میں سائنسی انداز فکر کیساتھ بہتر نظام تعلیم کے کرچلیں اسکے لئے یہ لازم ہے کہ غلط تاریخ پر نظر ثانی کرکے اسے درست کریں تاکہ قومی یکجہتی کی بنیاد مستحکم اور پائیدار ہوسکے۔یہی نہیں قومی یکجہتی کے فروغ میں تعلیمی پالیسی اور بہتر ڈسپلن کی بھی بڑی اہمیت ہے۔اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہماری تعلیم پالیسی کی بنیاد محبت، تہذیب و تمدن اور یکجہتی پر رکھی جائے اس کے لئے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ آج اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں ایسی کتابون کا انتخاب کرکے اس کا انتظام کیا جائے جس کے اسباق طلباء اور طالبات کی بہتر سے بہتر ذہن سازی کرسکیں اور ان کو ظلم وستم کے خلاف جدوجہد کرنے پر آمادہ کرسکیں اور ہر خاص وعام سے پیار ومحبت کرنے کا سبق سکھانے میں معاون ومددگار ثابت ہوں چونکہ پیار محبت ہی قومی یکجہتی کی اصل بنیاد ہے۔اس بات کے مدنظر قمر رام نگری (یوپی) کی نظم''سب سے کروتم پریم'' کے چند اشعار پیش کرنا بڑا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے جن سے قومی یکجہتی کی اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔

ملک کے فروغ میں قومی یکجہتی کی اہمیت

از ڈاکٹر کبیر الدین خاں وارثی

چہرے نہیں انسان پڑھے جاتے ہیں
مذہب نہیں ایمان پڑھے جاتے ہیں
بھارت ہی ایسا دیش ہے جہاں ایک ساتھ
گیتا اور قرآن پڑھے جاتے ہیں

گفتگو کرنے سے قبل قومی یکجہتی کے مفہوم کو واضح کر دینا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ قومی سے مراد قوم کا اور یکجہتی کا مطلب اتحاد ہے اور دونوں کو یکجا کر دینے یعنی قومی یکجہتی سے مراد قوم کا اتحاد ہوتا ہے۔ اس طرح اس کے مفہوم کا دائیرہ کافی وسیع ہو جاتا ہے۔ جو باتین اسکے دائیرے میں آتی ہیں ان سے مراد آپسی میل جول آپسی بھائی چارگی۔ آپسی ہمدردی اور آپسی اتفاق ہے۔

ہر ایک دور اور ہر ایک زمانہ میں قومی یکجہتی کی اہمیت رہی ہے۔ اور ہنوز اسکی اہمیت برقرار ہے۔ بلکہ آج کے دور انشار میں تو اسکی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے اور روز بروز اسکی اہمیت میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے چونکہ لوگ اسکی اہمیت سمجھنے لگے ہیں کہ بغیر اسکی اہمیت کو سمجھے ملک کا فروغ غیر ممکن ہی نہیں بلکہ مشکل بھی ہے۔

غرض یہ کہ ملک کے فروغ میں قومی یکجہتی کا ایک اہم رول ہو گیا ہے۔ یوں تو لفظ قوم کی تعریف تو سیاسی جغرافیائی اور مذہبی جہتوں کی حامل ہے۔ سیاسی طور پر کسی ملک کا باشندہ خواہ وہ کسی قبیلہ کا کیوں نہ ہو اسکی قومیت تو اکس ہوگی۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ یکجہتی سے مراد اتحاد اور بھائی چارگی سے ہے اور ہر لحاظ سے قومی یکجہتی ہمارے ملک ہندوستان کی ترقی کے لئے اہم اور ضروری ہے۔ آج ملک کی ترقی کے لئے جس قومی یکجہتی کی ضرورت ہے وہ سیاسی بھی ہے اور مذہبی بھی اور یہی یکجہتی اس وقت کی اہم پکار اور اہم تقاضہ ہے اور ملک کی ترقی کا راز بھی اسی میں پوشیدہ ہے۔ گویا قومی یکجہتی اس حقیقت سے عبارت ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والے ہر فرقے کے لوگ انسانیت اور اسکی آفاقی قدروں کو صحیح طور پر جانیں اور پہچانیں، ان سے محبت کریں اور کسی بھی تحریک کو پنپنے نہ دیں جو آدمیت اور انسان کو نقصان پہنچائے اور تباہی کے راستے پر گامزن کر دے کیونکہ بنی آدم عضائے یک دیگر نے۔ بلکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ قومی یکجہتی صرف جذبہ محبت آدم کے پروان چڑھنے پر محصر کرتی ہے۔

قومی یکجہتی کا یہ قطعی معنی نہیں کہ لوگ اپنے مذہب اور تہذیب وتمدن سے منحرف ہو جائیں بلکہ اس کا مطلب تو مختلف قوموں کی شعوری نشو ونما ہے جسکے تحت ہر شخص مکمل طور پر مذہبی سیاسی اور سماجی آزادی کیساتھ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہوئے آپسی میل جول آپسی محبت اور بھائی چارگی کیساتھ خوشگوار فضا میں خوش رہے اور مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا کے پس منظر میں مذہب سے تعلق رکھنے والے دانشوروں کی رائے سے

نئی دلّی میونسپل کونسل

پالیکا سماچار

نئی دہلی

پالیکا سماچار

☆ جلد......۳۶ ☆ شمارہ......۷-۸ ☆ دوماہی ☆ جولائی/اگست ۲۰۱۳ء

اس شمارہ میں

☆اداریہ☆

اداریہ			
	ملک کے فروغ میں قومی یکجہتی کی اہمیت	ڈاکٹر کبیرالدین خاں وارثی	۳
کہانی	اصلی تیرتھ	شیریں نیازی	٦
	موبائل لرننگ	ڈاکٹر جاوید احمد کامٹوی	۱۰
	افسانچے	وکیل نجیب	۱۲
		(شوریٰ) پریشد کی سرگرمیاں	۲۴ - ۲۲

❖ غزلیات ❖

ڈاکٹر عباس امید ۱۴

اشتیاق کامل ۱۵

عبرت مچھلی شہری ۱۵

ہرندر گری شاد ۱٦

انور جاوید شاداںؔ ۱۷

اطہر حسن اطہر ۱۸

اطہر حسن اطہر ۱۹

جمیل مظہر ۲۰

ڈاکٹر رضوان الرضا رضواںؔ ۲۰

مظہر مجاہدی ۲۱

☆ ادارتی بورڈ ☆

جلد۳۶۔دوماہی۔شمارہ۔۷-۸ جولائی/اگست ۲۰۱۳ء

سرپرست

ارچنا آروڑہ

☆☆

چیف ایڈیٹر

وکاس آنند

☆☆

ڈپٹی چیف ایڈیٹر

اے کے مشرا

☆☆

انیتا جوشی

ایڈیٹر و ناشر

☆☆

تعاون

سنیتا بوہادیہ

انیس فاطمہ

آصف علی

☆☆☆

فی شمارہ -/20 روپیہ

سالانہ -/100 روپیہ

پانچ سال کے لیے -/400 روپیہ

ترسیل زر کا پتہ: سکریٹری نئی دلی میونسپل کونسل پالیکا کیندر

پارلیمنٹ اسٹریٹ نئی دلی۔۱۱۰۰۰۱

خط وکتابت کا پتہ: ایڈیٹر پالیکا سماچار اردو شعبۂ اردو کمرہ ۱۲۰۹

پالیکا کیندر پارلیمنٹ اسٹریٹ نئی دلی۔۱۱۰۰۰۱

فون نمبر: 41501354 to 70/3209

اداریہ

نئی دلی نگر پالیکا سماچار کا نیا شمارہ مئی جون ۲۰۱۳ء آپکو مل گیا ہوگا۔

اُمید کرتا ہوں کہ نئی دہلی نگر پالیکا سماچار کا نیا رنگین اور خوب صورت شمارہ آپکو پسند آیا ہوگا شمارہ کے متعلق آپکی قیمتی رائے اور مشوروں کا متمنی ہوں۔

شہیدوں کی شہادت سے ہمیں آزادی ملی اور غلامی کی زنجیروں سے چھٹکارا۔ان کی شہادت سے ہی ہم ایک مضبوط جمہوریت کی تشکیل کر پائے ہیں۔میں ان جمہورت کے سچے علمبرداروں کو سلام کرتا ہوں۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ نئی دلی نگر پالیکا پریشد ایشیا کی ایک خود کفیل کونسل ہے۔جو اپنے علاقے میں یہاں کے باشندوں کو تعاون اور بھاگیداری سے صفائی، تعلیم، پینے کا پانی، حفاظت صیحت جیسی قیمتی خدمات فراہم کرانے میں سدا ہی آگے ہے۔کسی بھی ملک کی راجدھانی اس ملک کا آئینہ ہوتی ہے۔ اگر دلی کو صاف ستھرا بنا کر قدرتی ماحول کو محفوظ کیا جاتا ہے تو پورا ملک قدرتی ماحول کو محفوظ رکھنے میں ازخود تعاون دیگا۔لیکن قدرت سے چھیڑ چھاڑ ایک بھیانک شکل اختیار کر سکتی ہے۔پچھلے دنوں اُتراکھنڈ کی پاک سرزمین میں جو قدرتی مصیبت اور پریشان آئی اُس سے جان اور مال کا کافی نقصان ہوا۔اس دکھ کی گھڑی میں نئی دلی نگر پالیکا پریشد کے سبھی آفیسرز، کارکنان، ان سبھی مغموم خاندان کے ساتھ ہیں جنہوں نے جانی اور مالی نقصان سہا ہے۔

وکاس آنند
چیف ایڈیٹر

Printed by:– **Nutan Printers**
F-89/12, Okhla Industrial Area, Phase-I, New Delhi-110020, Tel.: 26817055